رسول اکرم ﷺ کا طریقہ تبلیغ قرآن کی روشنی میں
(تحقیقی مطالعہ)

یاسمین اختر[1]

خلاصہ

قرآن کریم بہترین انداز میں تبلیغ دین کی رہنمائی کرتا ہے۔ عملی طور پر نبی اکرم ﷺ کا طریقہ تبلیغ ہماری لیے نمونہ ہے۔ نبی امی نے اپنی ساری عمر اخلاقی اصولوں کی تبلیغ اور قوانین اسلام کی اشاعت میں گزار دی ۔آپ ﷺ ایک دن بھی ماحول کی سختی سے مایوس نہ ہوئے۔آخر کار وہ دنیائے انسانیت سے اخلاق اسلام کا اعلی ترین پیغام دینے میں کامیاب ٹھہرے۔آپ ﷺ کی محنت شاقہ نے ایک مردہ افسردہ قوم میں زندگی کی روح پھونک دی۔ باہم برسرپیکار قبیلوں کے اختلافات کو وحدت بخش کر ایک ایسی قوم بنا دیا، جس کا محرکِ عمل حیات ابدی کی امید تھی۔روشنی کی جو منتشر شعائیں اس وقت علیحدہ علیحدہ دل انسانی پر پڑی تھی انہیں لے کر آپ ﷺ نے ایک نقطہ پر مرکوز کر دیا۔

عام طور پر دنیا کے دوسرے معلمین اخلاق کے ساتھ یہ المیہ رہا ہے کہ وہ جن اخلاقی اصولوں کی تبلیغ کرتے ہیں اور جن اعلیٰ صفات کو اپنانے پر زور دیتے ہیں خود ان کی اپنی زندگی میں ان تعلیمات کا اثر بہت کم ہوتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ کی حیات مبارکہ میں آپ کو یہ نقص نظر نہیں آئے گا۔آپ کی زندگی کا سب سے بڑا اصول یہ تھا کہ نیکی کا کوئی کام اور ثواب کا کوئی عمل ہو آپ ﷺ سب سے پہلے اس پر عمل کرتے تھے۔ہم اس مقالہ میں نبی اکرم ﷺ کا طریقہ تبلیغ قرآن مجید کی آیات کی روشنی میں جاننے کی کوشش کریں گے۔

کلیدی الفاظ: روش تبلیغ؛قرآن، رسول اکرم ﷺ، طریقہ

مقدمہ

جب سے انسان اس دنیا میں آباد ہوا ہے اس وقت سے آج تک ہر دور میں کسی نہ کسی خطے میں کوئی انسان ایسا ضرور پیدا ہوتا رہا ہے جس نے انسانوں کو سیرت و کردار کی تعمیر کی دعوت دی اور اخلاق و

[1]۔ریسرچ سکالر

اعمال کی درستگی کا درس دیا۔ان اخلاقی رہنماؤں نے ہمیں بنیادی انسانی صفات پر قائم رہنے، حیوانوں سے ممتاز زندگی گزارنے اور بلند ترین اخلاقی صفات پیدا کرنے کی تعلیم دی۔انہی رہنماؤں میں سے ایک مقدس و پاک ذات حضرت محمد ﷺ کی ہے۔آپؐ جزیرہ عرب میں اس وقت مبعوث ہوگئے۔ جب انسانیت کی برسرعام تذلیل کی جارہی تھی۔انسان سیرت و کردار کی تعلیم سے غافل اور عزت و ناموس کی تخریب کاری میں مشغول تھے۔وہ ساری انسانی صفات سے بے پرواہ اور بلند اخلاقی اصولوں سے نابلد تھے کھلے عام بدکاری کرنا، دوسروں کے حقوق غصب کرنا، دوسروں کی عزت وجان پر حملہ آور ہونا، یہ عام سی بات تھی۔ایسے میں اخلاق و کردار کی بات کرنا کچھ ایسا ہی تھا جیسے صحرا میں صدا لگانا، مگر اس نبی امی نے اپنی ساری عمر اخلاقی اصولوں کی تبلیغ اور قوانین کی اشاعت میں گزار دی اور ایک دن کے لیے بھی وہ اپنے ماحول کی تیرگی سے مایوس نہ ہوئے۔آخر کار وہ دنیائے انسانیت سے اخلاقی باختگی کی انسانیت سوز فضا کو ختم کرنے میں پورے طور پر کامیاب ہوگئے۔آپ ﷺ کی محنت شاقہ نے ایک مردہ افسردہ قوم میں زندگی کی روح پھونک دی۔باہم برسرپیکار قبیلوں کے اختلافات کو وحدت بخش کر ایک ایسی قوم بنادیا، جس کا محرک عمل حیات ابدی کی امید تھی۔روشنی کی جو منتشر شعائیں اس وقت علیحدہ علیحدہ دل انسانی پر پڑی تھی انہیں لے کر آپ ﷺ نے ایک نقطہ پر مرکوز کردیا۔

عام طور پر دنیا کے دوسرے معلمین اخلاق کے ساتھ یہ المیہ رہا ہے کہ وہ جن اخلاقی اصولوں کی تبلیغ کرتے ہیں اور جن ملکوتی صفات کو اپنانے پر زور دیتے ہیں خود ان کی اپنی زندگی میں ان تعلیمات کا اثر بہت کم ہوتا ہے، مگر حضور اکرم ﷺ کی حیات مبارکہ میں آپ کو کہیں بھی یہ نقص نظر نہیں آئے گا۔آپ کی زندگی کا سب سے بڑا اصول یہ تھا کہ نیکی کا کوئی کام اور ثواب کا کوئی عمل ہو آپ ﷺ سب سے پہلے اس پر عمل کرتے تھے۔آپ جب کسی بات کا حکم دیتے تو پہلے خود اسے انجام دیتے۔دور حاضر میں سیرت رسول ﷺ کی پامالی کی بہت زیادہ کوششیں کی جارہی ہیں لہذا ہمارا فریضہ ہے کہ آپ ﷺ کی سیرت طیبہ کے احیاء میں رات دن کوشاں رہیں تاکہ محشر میں حضورؐ کے سامنے خجالت و شرمندگی سے محفوظ رہ سکیں اور فخر کے ساتھ حضرت سے کہیں کہ یارسول اللہؐ ہم پر بھی ایک نظر کرم کیجیے، ہماری شفاعت فرمائیے۔

رسول کا مفہوم

رسول، سوچ سمجھ کر اٹھنے کے معنی میں ہے[1]۔ عقل و شعور رکھنے والی مخلوقات تک اللہ کا پیغام لانے والے کو رسول کہا گیا ہے جو ان کی روحانی بیماریوں اور کمیوں کو پورا کرنے کے لیے اسی طرح ان دینی و دنیوی مصالح کی تعلیم کے لیے بھیجا گیا جن تک عقل نہیں پہنچ سکتی۔[2]

ابلاغ کا معنی و مفہوم

لفظ بلاغ بَلَغَ سے مشتق ہے۔ امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

اَلبَلَاغُ: اَلاِنتِهَاءُ اِلٰی اَقصَی المقصَد-[3]

بلاغ (کا معنی) مقصد اور غرض و غایت کے آخری حد تک پہنچا دینا ہے۔

گویا بلاغ سے مراد کسی بات کا محض پہنچانا نہیں بلکہ اپنے مقصد کی آخری حد اور انجام تک پہنچا دینا ہے۔[4]

سیرت کا لغوی مفہوم

سیرۃ، عربی زبان کا لفظ ہے اور اس کی جمع سیر ہے، یہ لفظ دراصل سار، یسیر، سیراً و مسیراً سے نکلا ہے اور چلنے پھرنے کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ سیرت کا مادہ سیر بمعنی چال ہے، اسی لیے اچھے چال چلن کو "حسن السیرہ" بھی کہا جاتا ہے، مشہور عربی لغت "لسان العرب"[5] میں لکھا ہے کہ السیر اکے معنی ہیں چلنا پھرنا کے ہیں۔

۱۔ جرجانی، التعریفات، ق ۱۴۱۲، ص ۴۹ [1]

۲۔ ویکی شیعہ۔ نیٹ [2]

۳۔ راغب اصفہانی، مفردات الفاظ القرآن: ص ۱۴۴ [3]

۴۔ شیخ السلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری، فلسفہ تبلیغ، ص ۱۰ [4]

۵۔ ابن منظور، لسان العرب، الجلد الرابع، ص ۳۸۹-۳۹۰ [5]

اصطلاحی مفہوم

سیرت کا لغوی معنی مفہوم اگرچہ کسی نیک سرشت انسان کا انفرادی کردار، مزاج، زندگی بسر کرنے کا ڈھنگ اور اس کی سوانح عمری ہے، لیکن اصطلاح میں اس سے مراد آنحضرت کے حالات زندگی اور اخلاق وعادات کا بیان ہے[1]۔ اس لفظ کا اطلاق حضور سرور کائنات کی حیات مبارکہ پر پہلے بھی ہوتا رہا ہے اور اب بھی اس کا اصطلاحی مفہوم یہی ہے[2]

رسول خدا ﷺ بعثت سے پہلے

رسول خدا ﷺ کی جوانی

عرب کے ایک ممتاز، مہذب اور اعلیٰ روایات رکھنے والے خاندان میں، سلیم الفطرت والدین کے گھر پیدا ہوئے۔ ایک شریف ذات دایہ کا دودھ پی کر دیہات کے صحت بخش، احول کے اندر فطرت کی گود میں پلے۔ وہ خاص انتظام سے صحرا میں تگ ودو کرتے کرتے زندگی کی ضوان گاہ میں مشقتوں کا مقابلہ کرنے کی تیاریاں کرتے ہیں اور بکریاں چرا کر گلہ بانی اقوام کی تربیت پاتے ہیں۔ بچپن کی پوری مسافت طے کرنے سے پہلے یہ انوکھا بچہ ماں کے سایہ شفقت سے بھی محروم ہو جاتا ہے۔ دادا کی ذات کسی حد تک والدین کے اس خلاء کو پُر کرنے والی تھی، لیکن یہ سہارا بھی چھن جاتا ہے، بلآخر چچا کفیل بنتے ہیں۔ یہ گویا مادی سہاروں سے بے نیاز ہو کر ایک آقائے حقیقی کے سہارے گراں بہا فرائض سے عہدہ برآ ہونے کی تیاری کرائی جارہی ہے۔

بچپن سے ہی یہ بچہ سنجیدگی سے آراستہ نظر آتا ہے۔ جوان ہوتا ہے تو انتہائی فاسد ماحول میں پلنے کے باوجود اپنی جوانی کو بے داغ رکھتا ہے۔ جہاں گلی گلی شراب کشید کرنے کی بھٹیاں لگی ہوں، گھر گھر شراب خانے کھلے ہوں، جہاں مجلس مجلس دخترِ زر کے قدموں میں ایمان واخلاق نچھاور کیے جاتے ہوں، اور پھر جہاں اپنی بلانوشیوں کے چرچے فخریہ قصیدوں اور شعروں میں کیے جاتے ہوں، وہاں یہ جداگانہ فطرت کا نوجوان کبھی قسم کھانے کو بھی شراب کا ایک قطرہ تک اپنی زبان نہیں

۱۔ اردو انسائیکلو پیڈیا، ص ۹۴۴

۲۔ ڈاکٹر انور محمود خالد، اردو نثر میں سیرت رسولؐ، ص ۷-۹

رکھتا۔ جہاں قمار قومی مشغلہ بنا چلا آرہا تھا وہاں یہ ایک مجسمۂ پاکیزگی تھا کہ جس نے کبھی مہروں کو ہاتھ سے نہ چھوا۔ جہاں داستاں گوئی اور موسیقی کلچر کا لازمہ بنے ہوئے تھے وہاں کسی اور ہی عالم کا یہ نوجوان، لہو لعب سے بالکل الگ تھلگ رہا۔ جہاں بتوں کے سامنے سجدہ ریزی عین دین و مذہب قرار پا چکی تھی وہاں خانوادہ ابرہیمیؑ کے اس پاکیزہ مزاج نوجوان نے نہ غیر اللہ کے سامنے کبھی اپنا سر جھکایا، نہ اعتقاداً یا کوئی مشرکانہ تصور کیا، بلکہ ایک مرتبہ بتوں کے چڑھاوے کا جانور پکا کر لایا گیا تو اس نے وہ کھانا کھانے سے انکار کر دیا۔ جہاں قریش نے زمانہ حج میں اپنے آپ کو عرفات جانے سے مستثنیٰ کر لیا تھا وہاں اس ممتاز مرتبے کے قریشی نے کبھی اس من گھڑت استثنیٰ سے فائدہ نہ اٹھایا۔ جہاں اولاد ابراہیمؑ نے مسلک ابراہیمیؑ کو بگاڑ کر دوسری خرابیوں کے ساتھ کعبہ کا طواف حالت عریانی میں کرنے کی ایک گندی بدعت پیدا کر لی تھی، وہاں اس حیادار نوجوان نے کبھی اس بدعت کو اختیار نہ کیا۔ جہاں جنگ ایک کھیل تھی اور انسانی خون بہانا ایک تماشا تھا، وہاں احترام انسانیت کا علمبردار یہ نوجوان ایسا تھا کہ جس کے دامن پر خون کی ایک چھینٹ نہ پڑی تھی۔

پھر اس پاکباز و عفیف نوجوان کی دلچسپیاں دیکھیے کہ عین جوانی کی عمر میں وہ اپنی خدمات اپنے ہم خیال نوجوانوں کی ایک اصلاح پسند انجمن کے حوالے کرتا ہے جو حلف الفضول کے نام سے غریبوں اور مظلوموں کی مدد اور ظالموں کی چیرہ دستیوں کے استحصال کو روکنے کے لیے قائم ہوئی تھی۔ اس کے شرکاء نے اس مقصد کے لیے حلفیہ عہد باندھا۔

آپ دور نبوت میں اس کی یاد تازہ کرتے ہوئے فرمایا کرتے کہ:

اس معاہدہ کے مقابلے میں اگر مجھ کو سرخ رنگ کے اونٹ بھی دیے جاتے تو میں اس سے نا پھرتا۔

پھر اس نوجوان کی صفات اور صلاحیتوں کا اندازہ اس سے کیجیے کہ تعمیر کعبہ کے موقع پر حجر اسود نصب کرنے کے معاملے میں قریش میں کشمکش پیدا ہوتی ہے اور تلواریں میانوں سے باہر نکل آتی ہیں، لیکن تقدیر کے اشارے سے اس قضیے کو چکانے کا شرف اسی نوجوان کے حصے میں آتا ہے۔ انتہائی جذباتی تناؤ کی اس فضا میں یہ جج اور صلح کا علمبردار ایک چادر بچھاتا ہے اور اس پر پتھر کو اٹھا کر رکھ دیتا ہے اور سب کو چادر پکڑنے کا کہتا ہے جب مطلوبہ جگہ آجاتی ہے تو وہ نوجوان اس پتھر کو اٹھا کر اس کی جگہ پر نصب کر دیتا ہے۔ جھگڑے کا سارا غبار چھٹ جاتا ہے اور چہرے خوشی اور اطمینان سے چمک اٹھتے ہیں۔

یہ جوان میدان معاش میں قدم رکھتا ہے تو تجارت جیسا پاکیزہ اور معزز مشغلہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ کوئی بات تواس نوجوان میں تھی کہ اچھے اچھے اہل سرمایہ نے یہ پسند کیا کہ یہ نوجوان ان کا سرمایہ اپنے ہاتھ میں لے اور کاروبار کرے۔ پھر سائب، قیس بن سائب مخزومی، حضرت خدیجہؓ اور جن دوسرے لوگوں کو اس نوجوان کے حسن معاملہ کا عملی تجربہ ہوا، ان سب نے اسے "تاجر امین" کا لقب دیا۔

پھر دیکھیے کہ یہ نوجوان رفیقہ حیات کا جب انتخاب کرتا ہے تو ایک ایسی خاتون سے رشتہ مناکحت استوار کرتا ہے جس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ خاندان اور ذاتی سیرت و کردار کے لحاظ سے نہایت اشرف خاتوں ہے۔ اس کا یہ ذوق انتخاب اس کے ذہن، اس کی روح، اس کے مزاج اور اس کی سیرت کی گہرائیوں کو پوری طرح نمایاں کر دیتا ہے۔

ہونے والا آخری نبی اس نقشہ زندگی کے ساتھ قریش کی آنکھوں کے سامنے اور ان کے اپنے ہی ملکی معاشرے کی گود میں پلتا ہے، جوان ہوتا ہے اور پختگی کے مرتبے کو پہنچتا ہے۔ کیا یہ نقشہ زندگی بول بول کر نہیں بتا رہا تھا کہ یہ ایک نہایت ہی غیر معمولی عظمت رکھنے والا انسان ہے؟ خود قریش نے اسے صادق و امین، دانا و حکیم اور پاک نفس و بلند کردار تسلیم کیا، اس کے دشمنوں نے اس کی اخلاقی عظمت کی گواہی دی اور سخت مخالفت کرتے ہوئے دی! داعی بر حق کے نقشہ زندگی کو خود قرآن نے دلیل بنا کر پیش کیا:

فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِنْ قَبْلِهِ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ[۱][۲]

اس سے پہلے میں ایک عمر تمہارے درمیان گزار چکا ہوں، کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے۔

بعثت سے پہلے پیغمبرؐ کا دین

بعثت سے پہلے نبی اکرمؐ کا خدائے واحد پر ایمان مسلمات میں سے ہے لیکن اختلاف اس میں ہے کہ اس زمانے میں آپؐ کسی نبی کی شریعت کی پیروی کرتے تھے یا نہیں؟ شریعت کی پیروی کرنے کی صورت

۱۔ سورہ یونس: ۱۶

۱۔ نعیم صدیقی، محسن انسانیت، ص ۱۲۵-۱۲۸ ۲

میں کس نبی کی شریعت پر عمل کرتے تھے آیا حضرت نوحؑ یا حضرت ابراہیمؑ یا حضرت عیسیٰؑ کی شریعت پر یا ہر اس چیز پر جو آپ کے نزدیک خدا کی طرف سے ہو یا اصلاً کسی شریعت کے پابند نہیں تھے ؟اس بارے میں کئی نظریات ہیں۔

عبدالجبار، غزالی اور سید مرتضی نے اس مسلے میں توقف اختیار کیا ہے۔ علامہ مجلسی کا نظریہ یہ ہے کہ بعثت سے پہلے جب اللہ تعالی نے حضور اکرمؐ کی ابتدائی زندگی میں آپ کی عقل کو کامل کیا تو آپ اس وقت سے نبی تھے اور روح القدس کے ذریعے آپؐ کی تائید کی گئی، آپ فرشتے سے باتیں کرتے تھے اور غیبی آواز کو سنتے تھے، الہام بخش خواب دیکھتے تھے، اس کے ۴۰ سال بعد آپؐ نے فرشتے کو دیکھا اور اس سے کلام کیا، آپؐ پر نازل ہوا اور تبلیغ کا حکم دیا گیا۔ علامہ مجلسی کہتے ہیں کہ انہوں نے یہ بات معتبر ذرائع اور اخبار مستفیضہ سے اخذ کی ہے۔

آنحضرتؐ بچپن سے ہی نبی ہونے کے اثبات کے لیے قرآن مجید میں حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں اللہ تعالی کے قول سے استدلال کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

" قَالَ إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ آتَانِيَ الْكِتَابَ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا وَجَعَلَنِي مُبَارَكًا أَيْنَ مَا كُنْتُ وَأَوْصَانِي بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ مَا دُمْتُ حَيًّا "۔[1]

بچے نے کہا: میں اللہ کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب دی ہے اور مجھے نبی بنایا ہے۔ اور میں جہاں بھی رہوں مجھے بابرکت بنایا ہے اور زندگی بھر نماز اور زکوۃ کی پابندی کا حکم دیا ہے۔

یعنی بے شک میں اللہ کا بندہ ہوں، اس نے مجھے کتاب عطا کی ہے مجھے نبی بنایا اور مجھے برکت والا قرار دیا ہے میں جہاں بھی رہوں اور جب تک زندہ ہوں اس نے مجھے نماز اور زکوۃ کا حکم دیا ہے۔

حضرت یحییٰؑ کے بارے میں خدا فرماتا ہے:

يَا يَحْيَىٰ خُذِ الْكِتَابَ بِقُوَّةٍ ۖ وَآتَيْنَاهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا۔[2]

اے یحییٰ! کتاب (خدا) کو محکم تھام لو اور ہم نے انہیں بچپن ہی سے حکمت عطا

[1]۔ سورہ مریم: ۳۱،۳۰

[2]۔ سورہ مریم: ۱۲

کی تھی۔

اگر ہم ان آیات کے ساتھ ان کثیر احادیث کا بھی اضافہ کریں جن میں بعض صحیح بھی ہیں مثال کے طور پر یزید الکناسی سے منقول روایت جو کافی ذکر ہوئی ہے کہ "اللہ تعالی نے کسی نبی کو کوئی فضیلت، کرامت اور معجزہ عطا نہیں کیا مگر یہ کہ وہ ہمارے پیغمبرؐ کو بھی بخشا"۔اس سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ اللہ تعالی نے ہمارے نبی حضرت محمدؐ کو بچپن سے ہی حکم اور نبوت عطا کر دی تھی۔اس کے بعد ۴۰ سال کی عمر میں آپؐ کو تمام لوگوں کی طرف نبی بنا کر بھیجا۔[1]

بعثت (نزول وحی)

خداوند تعالیٰ کی عبادت و پرستش میں رسول اکرمؐ کو چالیس سال گزر چکے تھے۔ایک مرتبہ جب آپ غار حرا میں اپنے معبود حقیقی سے راز و نیاز اور عبادت میں مصروف تھے اس وقت آپؐ رسالت پر مبعوث ہوئے، حضرت جبرئیل امینؑ آپؐ کے پاس آئے اور اولین آیات الٰہی کی تلاوت کی:

اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ، خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ، اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ، الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ، عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ[2]

(اے رسول) پڑھیے! اپنے رب کے نام سے جس نے خلق کیا۔ اس نے انسان کو لو تھڑے سے پیدا کیا۔ پڑھیے! اور آپ کا رب بڑا کریم ہے۔ جس نے قلم کے ذریعے سے تعلیم دی۔ اس نے انسان کو وہ علم سکھایا جسے وہ نہیں جانتا تھا۔

اپنے پروردگار کا نام لے کر پڑھو کہ جس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا۔پڑھو کہ تمہارا پروردگار بڑا کریم ہے، جس نے قلم کے ذریعہ تعلیم دی ہے اور انسان کو وہ سب کچھ دیا جو وہ نہیں جانتا تھا۔

رسول اکرم ﷺ نے جب یہ آیت مبارکہ سنی اور خداوند تعالیٰ کی جانب سے پیغمبری کی خوشخبری ملی نیز آپؐ نے مقام کبریائی کی عظمت و شان کا مشاہدہ کیا تو اس نعمت عظمی کو حاصل کرنے کے بعد آپؐ نے اپنے وجود مبارک میں مسرت و شادمانی محسوس کی چنانچہ آپؐ غار حرا سے باہر تشریف لائے اور حضرت خدیجہؑ کے گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔

---

[1] ۔علامہ جعفر مرتضی عاملی، الصحیح من سیرۃ النبی الاعظم، جلد ۱، ص ۲۱۷-۲۱۸

[2] ۔سورہ علق: ۱-۵

راستے میں جتنی پہاڑیاں اور چٹانیں تھیں وہ سب کی سب قدرت حق سے گویا ہو گئی تھیں اور پیغمبر خداؐ کا ادب واحترام بجالاتے ہوئے، اسلام علیک یا نبی اللہ۔۔ کہہ کر آپؐ سے مخاطب ہو رہی تھیں۔[1]

انبیاء کی ضرورت

اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت کے اندر نیکی اور بدی کے پہچاننے کی قابلیت اور نیکی کے اختیار کرنے اور بدی سے بچنے کی خواہش ودیعت کر دی ہے۔ اس پہلو سے انسان ایک اعلیٰ خلقت اور ایک بلند فطرت لے کر دنیا میں آیا ہے اور اس بات کا اہل ہے کہ اپنی سمجھ سے نیکی کو پسند اور بدی کو ناپسند کر کے اللہ تعالیٰ کے یہاں انعام کا مستحق ہو اور اگر اپنی فطرت کے خلاف خیر کی جگہ شر کا راستہ اختیار کرے تو فاطر کی طرف سے اپنی اس خلافِ روش پر سزا پائے گا۔ خلق پر حجت تمام کرنے کے لیے اس نے اپنے نبیوں اور رسولوں کو بھیجا تاکہ قیامت کے دن لوگ یہ عزر نہ کر سکیں کہ ان کو نیکی اور سچائی کا راستہ معلوم نہیں تھا اس وجہ سے وہ گمراہی کی وادیوں میں بھٹکتے رہے۔ اس حقیقت کو قرآن مجید کی ان آیتوں میں واضح کیا گیا ہے:

رُسُلاً مُّبَشِّرِينَ وَ مُنذِرِينَ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللهِ حُجَّة بعدَ الرُّسُلِ وَ كانَاللهُ عزِيزًا حَكيماً

اللہ نے رسولوں کو خوشخبری دینے والے اور ہوشیار کرنے والے بنا کر بھیجا تاکہ ان رسولوں کے بعد لوگوں کے لیے اللہ کے سامنے کوئی عزر باقی نہ رہ جائے۔ اللہ غالب اور حکیم ہے۔[2]

آنحضرتؐ کی بعثت کے دو پہلو

آنحضرتؐ پر چونکہ تمام عالم کی ہدایت ورہنمائی اور تمام مخلوق پر اتمامِ حجت کی ذمہ داری تھی اور آپ کے بعد کوئی اور نبی آنے والا نہیں تھا اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو دو بعثتوں کے ساتھ مبعوث فرمایا۔ ایک بعثت خاص، دوسری بعثت عام۔

۱۔ صحیح من السیرۃ النبی، جلد ۱، ص ۲۳۳

۲۔ دین اور اس کے طریقِ کار، مولانا امین احسن اصلاحی، ص ۲۹-۳۰

آپؐ کی بعثت خاص، اہل عرب کی طرف تھی اور اہل عرب کے ساتھ اسی خاص نسبت کی وجہ سے آپؐ کو نبی امی یا نبی عربی کہا گیا اور آپ ﷺ پر وحی نازل ہوئی اس کی زبان بھی عربی ہوئی۔ اس بعثت کی ذمہ داری یعنی تبلیغ اور اتمام حجت آنحضرتؐ نے براہِ راست انجام دی۔

آپؐ کی بعثت عام تمام دنیا کی طرف ہے۔ اس بعثت کی ذمہ داریاں ادا کرنے کے لیے اللہ تعالی نے آپ کو ایک امت عطا فرمائی اور اس امت کو یہ حکم دیا کہ رسول نے جس دین کی تبلیغ تم پر کی ہے اس کی تبلیغ اسی طرح تم دوسروں پر کرتے رہنا:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا[1]

اور اسی طرح ہم نے تمہیں امت وسط بنا دیا تاکہ تم لوگوں پر گواہ رہو اور رسول تم پر گواہ رہیں۔

انبیاء کرام پہلے کن کو مخاطب کرتے ہیں؟[2]

حضرات انبیاء کرامؑ اپنے مقصد کی تبلیغ کے لیے پہلے کن لوگوں کو مخاطب کرتے ہیں اور کس طرح مخاطب کرتے ہیں؟

سوال کے پہلے حصے کا مطلب یہ ہے کہ یوں تو انبیاء کی بعثت ان کی پوری قوم کی طرف ہوتی ہے، لیکن کیا وہ آغازِ کار ہی پوری قوم کو مخاطب کرتے ہیں یا شروع شروع میں ان کا انتخاب قوم کے کسی خاص طبقہ سے ہی ہوتا ہے؟ اگر کسی خاص طبقہ ہی سے ہوتا ہے تو وہ کونسا طبقہ ہے، عامۃ الناس کی قیادت و رہنمائی کر رہے ہوتے ہیں؟

سوال کے دوسرے حصے کا منشا یہ ہے کہ یہ ایک واقعہ ہے کہ ہر نبی کی قوم، شروع شروع میں اس کی دعوت سے بیگانہ رہتی ہے، بلکہ اس کی شدید مخالف رہی ہے پھر کیا انہوں نے سب کو منکر و کافر فرض کر کے اپنی دعوت کا آغاز "اے کافرو! ایمان لاؤ"۔ "اے مشرکو! اللہ کو ایک مانو" سے کیا یا ان کا طرز خطاب کچھ اور تھا؟ یہ دونوں سوال نہایت اہم ہیں۔ ان کو ٹھیک نہ سمجھنے کی وجہ سے لوگوں نے دعوت

---

[1] ۔ سورہ بقرہ: ۱۴۳

[2] ۔ : دین اور اس کا طریقِ کار مولانا امین احسن اصلاحی ص ۳۲

کے نقطہ آغاز کو متعیّن کرنے میں غلطیاں کی ہیں اور بہتیرے اپنا اور اپنے مخاطبوں کی صحیح پوزیشن سمجھنے میں بھی افراط و تفریط میں مبتلا ہوئے ہیں۔ جس کا نتیجہ یا تو یہ ہوا کہ ساری دعوت ایک نقطہ سے شروع ہونے کی وجہ سے بے اثر رہ گئی۔

سرداران قوم سے انبیاءؑ کا خطاب

ہمارے نزدیک اس سوال کا جواب یہ ہے کہ حضرات انبیائے کرامؑ سب سے پہلے قوم کے ارباب اثر کو مخاطب کر کے ہیں اور ان کی اصلاح کو عوام کی اصلاح کا ذریعہ بناتے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ نے سب سے پہلے خود اپنے خاندان کو دعوت دی جو قوم کی مذہبی پیشوائی کی مسند پر متمکّن تھا۔ پھر اس بادشاہ کو دعوت دی جس کے ہاتھوں میں سیاسی اقتدار کی باگ دوڑ تھی اور جو اپنے آپ کو لوگوں کی زندگی اور موت کا مالک سمجھے بیٹھا تھا:

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِي حَاجَّ إِبْرَاهِيمَ فِي رَبِّهِ أَنْ آتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ[1]

کیا آپ نے اس شخص کا حال نہیں دیکھا جس نے ابراہیم سے ان کے رب کے بارے میں اس بنا پر جھگڑا کیا کہ اللہ نے اسے اقتدار دے رکھا تھا؟

دور سے آتے ہیں اور داخل اسلام ہوتے چلے جاتے ہیں، لیکن قریش کے لیڈر، ابولہب، ابوجہل، امیہ بن خلف وغیرہ اور طائف کے اشراف، جن کے سامنے خدا کا رسولؐ شب و روز دعوتِ حق بلند کرتا ہے اس برکت سے محروم رہ جاتے ہیں۔ ان میں سے اگر فیض پاتے بھی ہیں تو وہ غریب عوام جن کی طرف ابھی دعوت کا خطاب براہِ راست نہیں، بلکہ بالواسطہ ہے۔ جو لوگ ترتیبِ دعوت میں پیچھے ہیں وہ قبولِ دعوت میں آگے ہو جاتے ہیں اور حضرت مسیحؑ کی یہ بات پوری ہو جاتی ہے کہ "کتنے ہیں جو آگے ہیں، وہ پیچھے رہ جائیں گے اور کتنے ہیں جو پیچھے ہیں وہ آگے ہو جائیں گے"۔ لیکن اس واقعہ کے باوجود حضرات انبیائے کرامؑ اپنی دعوت کی ترتیب نہیں بدلتے اور عامۃ النّاس کو اس وقت تک براہ راست مخاطب نہیں کرتے جب تک وقت کے کارفرما عناصر اور لیڈر حضرات اپنی ضد اور ہٹ دھرمی سے ان کو مایوس نہ کریں۔ حضرت مسیحؑ اپنی بعثت کے بعد برابر علمائے یہود کے جمود پر ضربیں لگاتے

[1] ۔ سورہ البقرہ: ۲۵۸

رہے، لیکن ایک عرصہ کی جدوجہد کے بعد بھی جب ان کے کبر وغرور اور پندارِ سیاست کی چٹان نہ ٹوٹی تو وہ ان کو چھوڑ کر جھیل کے کنارے ماہی گیروں کے پاس چلے گئے اور ان کو دعوت دی کہ "اے مچھلیوں کے پکڑنے والو! آؤ، میں تمہیں آدمی کا پکڑنے والا بنادوں" اور اللہ تعالی نے انہی کے اندر سے ان کو ایسے اہلِ ایمان دیے جو ان کے حواری کہلاتے:

فَلَمَّا أَحَسَّ عِيسَىٰ مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ أَنْصَارِي إِلَى اللَّهِ ۖ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنْصَارُ اللَّهِ آمَنَّا بِاللَّهِ وَاشْهَدْ بِأَنَّا مُسْلِمُونَ

جب عیسیٰ نے محسوس کیا کہ وہ لوگ کفر اختیار کر رہے ہیں تو بولے: اللہ کی راہ میں کون میرا مددگار ہوگا؟ حواریوں نے کہا: ہم اللہ کے مددگار ہیں، ہم اللہ پر ایمان لائے ہیں اور آپ گواہ رہیں کہ ہم فرمانبردار ہیں۔

حضرت محمدؐ کی دعوت

غور کر کے دیکھے تو بعینہ یہی صورت حال آپ کو آنحضرتؐ کی دعوت میں بھی نظر آئے گی۔ آپ نے پہلے، اللہ کے حکم کے مطابق، قریش کو دعوت دی جو سارے عرب کے مذہبی و سیاسی پیشوا تھے، اور ان کے سرداروں میں سے ایک ایک کے سامنے اللہ کے دین کو پیش کیا۔ جب ان کی طرف سے نفرت اور مخالفت کا مظاہرا ہوا تو آپ نے ان کے قبول اسلام کے لیے دعائیں بھی کیں۔ ان لوگوں کے قبول اسلام کا شوق آپ پر اس قدر غالب تھا کہ اس جوش میں نہ آپ کو اپنے ضروری آرام کا خیال رہتا نہ اپنے مرتبے اور عظمت کا، بلکہ بسا اوقات یہ انہماک آپ پر اس قدر غالب ہو جاتا کہ ان مسلمانوں کی تربیت کے لیے بھی آپ کے پاس وقت نہ بچتا جو نعمتِ اسلام سے بہرا ور ہو چکے ہوتے اور تربیت کے محتاج ہوتے۔ لیکن ان ساری باتوں کو باوجود آپ ایک مدت تک انہی لوگوں کے ساتھ مشغول رہے اور ان کے ہر قسم کے طعن و طنز، تحقیر واستہزاء اور اعناد واختلاف کو برداشت کرتے رہے۔ یہاں تک کہ جب اتمام حجت کا حق ادا ہو گیا تو اللہ نے آپ کو ان لوگوں کے پیچھے وقت ضائع کرنے سے روک دیا اور صرف ان لوگوں کی طرف متوجہ ہونے کا حکم دیا جو یا تو ایمان لا چکے تھے یا جن سے توقع تھی کہ اگر ان کو کوئی نصیحت کی جائے گی تو وہ سنیں گے اور مانیں گے۔ یہی مقام ہے جہاں پہنچ کر آپ کو متکبرین سے اعراض کا حکم دیا گیا ہے:

فَتَوَلَّ عَنْهُمْ فَمَا أَنْتَ بِمَلُومٍ، وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرَىٰ تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِينَ[1]

پس آپ ان سے رخ پھیر لیں تو آپ پر کوئی ملامت نہ ہو گی۔ ۵۵۔اور نصیحت کرتے رہیں کیونکہ نصیحت تو مومنین کے لیے یقیناً فائدہ مند ہے۔

عَبَسَ وَتَوَلَّىٰ، أَنْ جَاءَهُ الْأَعْمَىٰ، وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّهُ يَزَّكَّىٰ، أَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرَىٰ، أَمَّا مَنِ اسْتَغْنَىٰ ، فَأَنْتَ لَهُ تَصَدَّىٰ، وَمَا عَلَيْكَ أَلَّا يَزَّكَّىٰ،[2]

اس نے ترش روئی اختیار کی اور منہ پھیر لیا، ایک نابینا کے اس کے پاس آنے پر۔ اور آپ کو کونسی چیز بتائے گی شاید وہ پاکیزگی حاصل کرتا۔ یا نصیحت سنتا اور نصیحت اسے فائدہ دیتی۔ اور جو (اپنے آپ کو حق سے) بے نیاز سمجھتا ہے، سو آپ اس پر توجہ دے رہے ہیں۔ اور اگر وہ پاکیزگی اختیار نہ بھی کرے تو آپ پر کوئی ذمہ داری نہیں۔

انبیائے کرام کا طریقہ خطاب

یہ ظاہر ہے کہ انبیاء کی بعثت ہوتی ہی اس زمانہ میں ہے جب حق و باطل میں امتیاز، وحی الٰہی کے بغیر، ناممکن ہو جاتا ہے اور عملاً تمام نظام زندگی حق کی جگہ باطل کے قبضہ میں آچکتا ہے۔ ایسے زمانہ میں حق صرف نبی کے ساتھ ہی ہو سکتا ہے۔ اس کے دائرہ سے باہر حق کے کچھ اجزاء تو پائے جاتے ہیں لیکن پورے حق کا پایا جانا ناممکن ہے۔ اس وجہ سے اگر انبیائے کرام ابتدا ہی میں لوگوں کو اس طرح مخاطب کریں کہ اے کافرو! ایمان لاؤ۔ اے مشرکو! توحید اختیار کرو، تو صورت واقعہ کے اعتبار سے ان کا یوں دعوت دینا بے جا نہیں۔ کیونکہ واقع یہی ہے کہ وہ کفر و شرک میں مبتلا ہیں۔ لیکن جن لوگوں نے حضرات انبیائے کرامؑ کی تاریخ پڑھی ہے وہ جانتے ہیں کہ وہ ایسا نہیں کرتے، بلکہ بلکہ وہ لوگوں کو اے انسانوں، اے لوگو، اے میری قوم، اے اہل کتاب، اے لوگو جو یہودی ہوئے، اے وہ لوگو جو نصرانی ہوئے، اے وہ لوگو جو ایمان لائے، وغیرہ خطابات سے مخاطب کرتے ہیں اور ان کا یہی

[1] ۔الذاریات: ۵۵، ۵۴

[2] ۔سورہ عبس: ۱۔۷

طرزِ خطاب اس وقت باقی رہتا ہے جب تک قوم ان کو اپنی ضد اور ہٹ دھرمی اور حق دشمنی سے مایوس نہ کر دے کہ ان کے لیے قوم سے علیحدگی اور ہجرت کا وقت آجائے۔ جب قوم اپنی حق دشمنی میں اس حد تک آگے بڑھ جاتی ہے کہ اہل حق کا وجود اپنے اندر کسی طرح سے گوارا کرنے کو تیار نہیں ہوتی اور تائید حق کی بڑی سے بڑی دلیل بھی اس کی ضد کے آگے بے کار ہو کے رہ جاتی ہے اس وقت انبیاء اپنی قوم کو چھوڑتے ہیں اور یہی وقت ہوتا ہے کہ وہ صاف صاف الفاظ میں ان لوگوں کے لیے کافر و مشرک وغیرہ کے الفاظ استعمال کرتے ہیں جو اپنے کفر و شرک پر اڑے رہتے ہیں۔

حضرت محمدؐ کا اسوہ

ٹھیک یہی حال نبی کریمؐ کی دعوت کا ہے۔ قربِ ہجرت سے پہلے کی کسی سورہ میں بھی یہ بات نہیں مل سکتی کہ آپ نے اپنی قوم کو یا اہل کتاب کو صریح طور پر کافر و مشرک یا منافق وغیرہ کے الفاظ سے مخاطب کیا ہو۔ ابتدائی سورتوں میں زیادہ تر خطاب یا تو یَاَیُّھَاالاِنسانُ، کے الفاظ سے ہے یا یَاَیُّھَا النَّاس، یا یٰقُوم کے الفاظ ہیں۔ اسی طرح اہل کتاب کے لیے یااھل الکتاب، کے یا اس کے ہم معنی الفاظ ہیں۔ یہاں تک کہ منافقین کے لیے بھی فتح مکہ کے بعد تک ،یاایھا الذین امنوا، کا لفظ استعمال ہوتا رہا اور صراحت کے ساتھ ان کو 'اے منافقو' کے الفاظ سے کہیں خطاب نہیں کیا گیا۔ لیکن جب ایک مدّت کی دعوت و تبلیغ کے بعد قوم پر اللہ کی حجت پوری ہو گئی نہ ماننے والوں نے نہ صرف یہ کہ مانا نہیں، بلکہ پیغمبرؐ کے قتل کا ارادہ کر لیا، اس وقت آپ نے ہجرت فرمائی اور کفار قریش کو صاف صاف 'اے کافرو' کے الفاظ سے مخاطب کیا اور ان سے ااور ان کے دین سے اپنی علیحدگی کا اعلان کیا۔ اسی ہجرت کے موقع پر یہ سورہ نازل ہوئی جو قریش سے اعلان برائت، بلکہ اعلان جنگ کی سورہ ہے:

قُل یٰاَیُّھا الکٰفِرُونَ لا اعبُدُ مَا تَعبُدُونَ ولا اَنتُم عٰبِدُونَ ما اَعبُدُ وَلَا اَنَا عَابِدمَّا عَبَدتُّم ولا انتُم عٰبِدُونَ مااَعبُدُ لَکُم دِینُکُم وَلِیَ دِینِ[1]

کہدیجئے: اے کافرو! میں ان (بتوں) کو نہیں پوجتا ہوں جنہیں تم پوجتے

[1]۔ سورہ کافرون: ۱۔۶

ہو۔اور نہ ہی تم اس (اللہ) کی بندگی کرتے ہو جس کی میں بندگی کرتا ہوں۔اور نہ ہی میں ان (بتوں) کی پرستش کرنے والا ہوں جن کی تم پرستش کرتے ہو۔اور نہ ہی تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔ تمہارے لیے تمہارا دین اور میرے لیے میرا دین۔

تبلیغ میں آنحضرتؐ کی کوششیں

اب نبی ﷺ نے سب کو تبلیغ شروع کر دی، ہر ایک میلے اور ہر ایک گلی کوچے میں جا جا کر لوگوں کو توحید کی تبلیغ کرتے۔بتوں، پتھروں، درختوں کی پوجا سے روکتے، بیٹیوں کو مارنے سے منع کرتے۔ زنا سے منع کرتے جوا کھیلنے سے لوگوں کو روکتے تھے۔آپؐ فرمایا کرتے تھے کہ کہ لوگ اپنے جسم کو نجاست سے، کپڑوں کو میل کچیل سے، زبان کو گندی باتوں سے، دل کو جھوٹے اعتقادوں سے پاک و صاف رکھیں۔وعدہ اور اقرار کی پابندی کریں۔لین دین میں کسی سے دغا نہ کریں۔اللہ کی ذات کو نقص و عیب سے پاک سمجھیں۔اس بات کا پختہ اعتقاد رکھیں کہ زمین، آسمان، چاند، سورج، چھوٹے بڑے سب کے سب اللہ کے پیدا کیے ہوئے ہیں۔سب اسی کے محتاج ہیں۔دعا کا قبول کرنا، بیمار کو صحت و تندرستی دینا، مرادیں پوری کرنا اللہ کے اختیار میں ہے۔اللہ کی مرضی اور حکم کے بغیر کوئی بھی کچھ نہیں کر سکتا۔فرشتے اور نبی بھی اس کے حکم کے خلاف کچھ نہیں کرتے۔[1]

طرز گفتگو

رسول خدا فطرتاً شیریں گفتار تھے اور نرم زبان، گفتگو میں فقرہ فقرہ اور لفظ لفظ جدا جدا اور ٹھہر ٹھہر کر ادا فرماتے تھے۔اس لیے کہ مخاطب کو ان کی تفہیم میں زحمت نہ ہو۔ایک ایک بات کو تین تین مرتبہ فرماتے تھے۔ جس امر پر زور دینا ہوتا تھا بار بار اس کا اعادہ فرمایا جاتا تھا۔

آپؐ بلند آواز تھے اور نہایت خوش الحان حضرت ام ہانیؓ فرماتی ہیں کہ آپؐ حرم میں قرآن مجید کی تلاوت فرماتے تھے اور ہم لوگ اپنے گھروں میں بیٹھے بیٹھے تلاوتِ قرآن کے ثواب سے بہرہ یاب ہوا کرتے تھے۔

۲۔ رحمۃ للعالمین، قاضی محمد سلمان منصور پوری، ص۸۱

ہندابی ہند سے مروی ہے کہ آپ اکثر اوقات متفکر رہا کرتے تھے۔ زیادہ تر خاموش رہتے تھے اور بے ضرورت کبھی گفتگو نہیں فرماتے تھے۔ آپ کا ایک ایک فقرہ اور لفظ صاف اور واضح ہوتا تھا۔ ہاتھ سے اشارہ کرنا ہوتا تو پورا ہاتھ اٹھاتے تو ہتھیلی کا رخ بدل دیتے۔ تقریر میں کبھی ہاتھ پر ہاتھ مارتے بات کرتے کرتے جب کبھی مسرت کی کیفیت طاری ہوتی تو آنکھیں نیچی ہو جاتیں، ہنستے بہت کم تھے مسکراہٹ آپ کی ہنسی تھی۔[1]

ادائے خطابت

خطبہ دینے کا طریقہ بالکل سادہ ہوتا تھا۔ عام فہم اور صاف صاف الفاظ میں تقریر کی جاتی تھی کلام میں نہ مبہم الفاظ لائے جاتے تھے اور نہ مغلق الفاظ اور نہ بیان میں استعارات و تلمیحات و تشبیہات سے کام لیا جاتا تھا۔ جو عام تفہیم میں خواہ مخواہ ثقل پیدا کرے اور ہر شخص کے لیے ارشاد و ہدایت کو سمجھنا دشوار ہو جائے۔ دوران تقریر میں ہمیشہ الفاظ آسان، صاف اور عام فہم استعمال فرماتے تھے کہ ہر شخص آسانی سے سمجھ لے، طرزِ بیان بھی ایسا خوش اسلوب اور مرغوب ہوتا تھا کہ سننے والے دن بھر بھی سنتے رہ جائے اور مجلس سے اٹھنے کو جی نہ چاہے مجلس تقریر ختم بھی ہو جائے تو مزید سماعت کا شوق باقی رہ جائے۔

خطبات نبویہ کی اداو اجرا کے لیے نہ کوئی اہتمام کیا جاتا تھا اور نہ کوئی خاص انتظام، نہ اس کے لیے کسی خاص سامان کی حاجت ہوتی تھی اور نہ کسی مختص تمہید و عنوان کی ضرورت، مجالس خطبات میں عرب جاہلیت کے دستور کے مطابق نہ دربان و پاسبان بیٹھتے تھے بلا تامل ہر شخص کو خطباب میں حاضری کی اجازت تھی اور بلا تکلف ہر شخص بارگاہ رسالتؐ کی مجالس میں باریاب ہو سکتا تھا۔ کسی قوم و قبیلہ یا کسی مذہب و ملت کی کوئی تخصیص نہیں تھی نعمت ابدی کی دعوت عام تھی۔ جس میں دوست دشمن سب جمع ہو کر یکساں فیضیاب ہوئے تھے۔

طرز بیان مضامین کی خصوصیت اور مناسبت کے لحاظ سے اکثر مختلف ہوا کرتا تھا۔ جس موضوع خاص پر بحث فرمائی جاتی تھی ان کے اداو اجرا میں ایک انداز خاص رکھا جاتا تھا جس کے باعث سے حاضرین و

۱۔ اسوۃ الرسول، علامہ سید اولاد حیدر بلگرامیؒ، جلد ۳، ص ۴۳۰

سامعین کے قلوب فوراً قبول کر لیتے تھے انہیں امور کو مد نظر رکھ کر اکثر خطبات میں باہمی مکالمات کا طریقہ اختیار فرمایا جاتا تھا اور سوال و جواب کی صورت میں مطالب ارشاد و ہدایت ادا فرمائے جاتے تھے۔

حنین سے واپسی پر جو خطبہ ارشاد فرمایا گیا تھا اس میں یہی ترتیب رکھی گئی تھی۔

حجتہ الوداع کے آخری خطبہ میں مہاجرین و انصار سے جو خطاب فرمایا گیا تھا اس کا آغاز الست اولی المومنین من النفسم دونوں خطبوں میں تفصیل آتی ہے دوران بیان جذبات رسالت کا یہ عالم تھا کہ چہرہ آنحضرت گلگون ہو جاتا تھا آواز معمول سے زیادہ بلند ہو جاتی تھی انگشت مبارک بھی بار بار متحرک ہو جاتی تھی دست مطہر بھی رہ رہ کر مرتفع ہوتے جاتے تھے کبھی کبھی رحمت عالم کی جبین انور پر اس حالت خاص میں غیظ و غضب کے آثار بھی نمایاں ہونے لگتے تھے۔ پیشانی نورانی پر شکنیں پڑھ جاتی تھیں۔ رخسار مبارک سُرخ ہو جاتے تھے سراپائے مبارک میں حرکت پیدا ہو جاتی تھی چشم ہائے مبارک بھی گلابی ہو جاتی تھیں اور اس عالم خاص کے اثر سے آپ بار بار جھومنے لگتے تھے اس انداز خاص سے اس وقت یہ پایا جاتا تھا کہ آپؐ معتقدین کے گروہ کو موعوظہ نہیں فرماتے بلکہ ایک عظیم الشان فوج کو کسی سخت اور دشوار مہم کے سر کرنے پر آمادہ اور تیار فرما رہے تھے۔

تعلیم دینیات اور معارف الہیات کے بتلانے سکھلانے اور سمجھانے کے موقع پر خوف الٰہی اور خشیۃ لا متناہی کا یہ عالم خاص ہوتا تھا کہ جسم مبارک میں رعشہ سا پڑ جاتا تھا۔ چہرہ گلگوں زرد ہو جاتا تھا عظمت جلال الٰہی کے باعث کبھی دست مبارک سینہ پر رکھ لیتے تھے۔ حدیث ہے:

> سمعت رسول اللہ ﷺ علی المنبر یا خزالجبار سمواتہ وارضہ بیدوقبض یدہ فجعل بقبضھا قال یتمائل رسول ﷺ عن یمیہ و عن شمائلۃ حتی نظرت الی المنبر مجرک من اسفل شی منہ حتی الی القول اساقط ھو بر رسول ﷺ
>
> میں نے آنحضرتؐ کو خطبہ دیتے ہوئے سنا فرماتے تھے کہ خداوند صاحب جبروت آسمان و زمین کو اپنے ہاتھ میں لے گا یہ بیان کرتے ہوئے آپ مٹھی بند کر لیتے تھے اور پھر کبھی کھول لیتے تھے آپ کا جسم مبارک دائیں کبھی بائیں جھکتا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ میں نے ممبر کو دیکھا اس کا سب سے نچلا حصہ بھی

اس قدر ہل رہا تھا کہ میں نے خیال کیا کہ آپ کو لے کر گر تو نہیں پڑے گا۔[1]

مومن سے ملاقات کے وقت

ایک دن رسول خداؐ کے دولت خانہ پر ایک شخص آیا اور آنحضرتؐ سے ملاقات کی درخواست کی۔ جب آنحضرتؐ اس شخص سے ملاقات کے لیے تیار ہوئے تو آپ نے پانی کا ایک برتن سامنے رکھا اپنے بالوں کو مرتب کیا اس کے بعد اس سے ملاقات کے لیے تشریف لے گئے۔

جناب حضرت عائشہ نے آپ کے اس عمل سے تعجب کیا اور واپس آتے ہی آپ سے پوچھا: یارسول اللہ! ملاقات سے پہلے کیوں آپ پانی کے برتن کے سامنے کھڑے ہوئے اور بالوں اور چہرے کو مرتب کیا؟

فرمایا: اے عائشہ! خداوند دوست رکھتا ہے کہ جب کوئی مسلمان اپنے کسی مسلمان بھائی سے ملنے جائے تو خود کو مرتب اُمزن کرے۔[2]

جنگ پر لشکر بھیجتے وقت

پیغمبر اسلامؐ جب جنگ کے لیے لشکر بھیجنے کا ارادہ کرتے تھے تو لشکر کو اپنے پاس بلاتے تھے اور ان سے فرماتے تھے: اللہ کے نام سے اس کی راہ میں اور اس کے پیغمبر کے بتائے ہوئے راستے سے جنگ پر جانا۔ اپنے دشمنوں کے ساتھ خیانت نہ کرنا یعنی (ناک، کان کاٹنا) نہ کرنا، ان کے ساتھ مکاری اور دغابازی نہ کرنا۔ بوڑھے مردوں، عورتوں اور بچوں کے ساتھ کسی قسم کی چھیڑ چھاڑ مت کرنا، درختوں کو مت کاٹنا مگر یہ کہ جہاں ضروری ہو۔ مسلمانوں میں سے ہر کوئی چھوٹا بڑا مشرکین کو پناہ دینے کا حق رکھتا ہے اگر کوئی کسی کو پناہ دے تو وہ اس کی پناہ میں رہے گا تاکہ پیغام اسلام کو سن سکے اور اگر اس نے اسلام قبول کر لیا تو تم مسلمان بھائیوں میں سے ہو جائے گا اور اگر اس نے انکار کر دیا تو اس کو اس کے گھر تک پہنچا دینا اور خدا سے مدد چاہنا۔[3]

۱۔ اسوۃ الرسولؐ، سید اولاد حیدر فوق بلگرامیؒ، جلد ۳، ص ۴۶۲۔۴۶۴

۲۔ درس زندگی از سیرۃ پیغمبر، ص ۱۶

۳۔ وسائل الشیعہ، الشیخ حر حاملی، محمد بن الحسن، ج ۱۱، ص ۴۲۴

گالیوں کے مقابلے میں خاموشی

پیغمبر اکرمؐ ایک گروہ کے پاس سے گزرے جن میں سے ایک شخص بہت بھاری پتھر اٹھا کر اپنی شجاعت اور بہادری کے جوہر دکھا رہا تھا اور لوگ اس کے اطراف میں جمع ہو کر اس کا تماشا دیکھ رہے تھے۔ آنحضرتؐ نے ان سے فرمایا: یہاں کیا ہو رہا ہے؟ عرض کی: یہ آدمی بھاری پتھر اٹھا کر اپنی شجاعت دکھلا رہا ہے۔ فرمایا: کیا تم لوگ چاہتے ہو میں تمہیں ایک شخص کی خبر دوں جو اس سے زیادہ شجاع ہے۔ عرض کی: جی ہاں یارسول اللہ! فرمایا: وہ شخص جس کو سامنے والا گالیاں دے رہا ہو اور وہ خاموشی سے سنتا رہے، اسے برداشت کرے اور اس کے پاس بیٹھنے کے لیے آئے تو وہ اپنی جگہ اس کو دے دے[1]۔

دشمنوں سے عفو و درگزر اور حسن سلوک

انسان کے ذخیرہ اخلاق میں سب سے زیادہ کامیاب اور نادر الوجود چیز دشمنوں پر رحم اور ان سے عفو و درگزر ہے۔ یہ چیز آپؐ کے دست اقدس میں فراوان تھی۔ دشمن سے انتقام لینا انسان کا قانونی فرض ہے لیکن اسلام کے دائرے شریعت میں یہ فرضیت بدل کر مکروہ تحریمی بن جاتی ہے۔ تمام روایتیں اسی پر متفق ہیں کہ آپ نے کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا۔ دشمنون سے انتقام کا سب سے بڑا موقع فتح حرم کا دن تھا۔ جب وہ کینہ خواہ سامنے آئے جو آحضرتؐ کے خون کے پیاسے تھے اور جن کے دست ستم سے آپ نے طرح طرح کی اذیتیں اٹھائی تھیں لیکن ان سب کو یہ کہہ کر چھوڑ دیا کہ۔

قَالَ لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ[2]

یوسف نے کہا: آج تم پر کوئی عتاب نہیں ہوگا، فانتم الطلقاء جاؤ تم سب آزاد ہو۔

ہندہ نے حضرت حمزہؑ کا سینہ چاک کیا اور دل و جگر کے ٹکڑے ٹکڑے کیے فتح مکہ کے دن نقاب پوش آئی کہ آنحضرتؐ پہچان نہ سکیں اور بے خبری میں بیعت کی سند امان حاصل کر لے مگر اس موقع پر بھی گستاخی سے باز نہ آئی آحضرتؐ نے ہندہ کو پہچان لیا لیکن اس واقعہ تک کا ذکر نہ کیا۔[3]

۱۔ مجموعہ ورام، ص ۳۴۰

۲۔ سورہ یوسف: ۹۲

۳۔ اسوۃ الرسول، سید اولاد حیدر فوق بلگرامیؒ، ج ۳، ص ۵۵۰

نتائج

رسول خدا کی سب سے اہم تبلیغ توحید کا پرچار کرنا تھا۔ حق و حقیقت کے متلاشیوں کے لیے توحید کو واضح کرنا تھا۔ رسول خدا نے زبان سے بھی تبلیغ فرمائی مگر عمل سے، اس سے زیادہ بڑھ کے تبلیغ فرمائی۔ عمل تبلیغ کا خاموش ذریعہ ہے۔ رسول خدا عرب کے ممتاز اور اعلیٰ خاندان میں پیدا ہوئے لیکن باقی بچوں سے بلکل مختلف عمل انجام دیتے۔ نہ بچپن میں بتوں سے کوئی تعلق رکھا نہ ان کی پرستش کی۔ جوانی میں جہاں باقی جوان لہب و لعاب میں ڈوبے ہوتے ہیں وہاں آپؐ اپنی جوانی کو بے داغ رکھتے ہیں۔

یہاں تک کہ خدا کی عبادت میں رسول اکرمؐ کو چالیس سال گزر گئے۔ اب وہ وقت آیا کہ رسول خدا لوگوں سے صادق و امین لقب پانے، مبعث رسالت ہونے کے بعد لوگوں کو دین خدا کی طرف بلانے لگے۔ کیونکہ خدا نے انسان کے اندر نیکی اور بدی کو پہچاننے کی قابلیت رکھی ہے۔ تاکہ انسان خود کو بدی سے روک کر کمال تک پہنچے۔ کمال کا سفر انبیاء کے ذریعے ہی ممکن ہے۔

چونکہ رسول خداؐ کو تمام عالم کی ہدایت کے لیے بھیجا گیا ہے تو خدا نے آپ کو دو بعثتوں سے مبعوث فرمایا۔ ایک بعثت خاص، جو کہ اہل عرب کے لیے تھی اور ایک بعثت عام، جو تمام دنیا کے لیے ہے۔ اس کے لیے خدا نے آپ کو ایک امت عطا فرمائی اور اس امت کو حکم دیا جس دین کی تبلیغ رسول خداؐ تمہیں کرتے تم دوسروں کو کرو۔

تبلیغ کا آغاز ایک خاص طبقے سے ہوتا، وہ طبقہ جو عوام الناس کی قیادت و رہنمائی کر رہے ہوتے تھے۔ پہلے قوم کے ارباب اثر کو مخاطب کیا جاتا ان کی اصلاح کو عوام کی اصلاح کا ذریعہ بنایا جاتا۔ رسول خداؐ نے بھی بحکم خدا پہلے قریش کو دعوت دی ان کے سرداروں میں سے ایک ایک کے سامنے دین کو پیش کیا اور تبلیغ کا آغاز بڑے حسن اخلاق سے کیا جاتا ہے۔ ہمیشہ اچھے الفاظ میں دین کی نشر و اشاعت کی جاتی ہے۔ اسی طرح رسول خداؐ نے بھی کبھی کسی کافر کو کافر و مشرک کہہ کر نہیں بلایا بلکہ ہر بار، اے میری قوم، اے لوگوں، کہہ کر مخاطب کیا۔

آپؐ ایک ایک میلے، گلی، کوچے میں جاتے اور توحید کی خوبی بتاتے۔ بتوں کی پرستش سے روکتے، بیٹیوں کو مارنے سے منع کرتے۔

آپؐ تبلیغ میں آسان اور پر کشش انداز اختیار فرماتے۔ آپؐ مبلغ پیدا ہوئے، مبلغ بن کر جیئے۔
کوئی انسان اس بات پر قادر نہیں کہ حضورؐ کی ذات والاصفات کے پہلوؤں کو بطور کامل بیان کر سکے اور آپ کی سو فیصدی واقعی تصویر پیش کر سکے۔ رسول خداؐ کے بارے میں ہم جتنا کچھ جان چکے ہیں وہی ایک انسان کو کمال پر گامزن کرنے کے لیے کافی ہے۔
خداوند کریم ہم سب کو دین مبین اسلام اور مکتب حقہ اہل بیت کے احکامات پر عمل کرنے کی توفیق عطاء فرمائے۔

منابع و مآخذ

۱۔ابن منظور، محمد، لسان العرب، مکتبہ دار صادر بیروت، لبنان، ۱۴۱۴ء
۲۔اردو انسائیکلوپیڈیا
۳۔اصفہانی، راغب، مفردات الفاظ القرآن، عرفان افضل پریس، لاہور، 12 صدی
۴۔اصلاحی، امین احسن، دعوت دین اور اس کے بریقِ کار، کمپیوٹرز ڈایڑیشن۔ طبع سوم، لاہور، ذیقعدہ ۱۴۳۵ھ۔ ستمبر ۲۰۱۴ء
۵۔القادری، محمد طاہر، قرآنی فلسفہ تبلیغ، منہاج القرآن پبلیکیشنز، لاہور، جنوری ۱۹۸۵ء
۶۔بلگرامی، سید اولاد حیدر، اسوۃ الرسول، مصباح القرآن ٹرسٹ، لاہور، ۲۰۱۱ء
۷۔پوری، محمد سلمان منصور، رحمۃ العالمین، مرکز الحرمین الاسلامی، فیصل آباد، رمضان المبارک/اکتوبر ۲۰۰۷ء
۸۔جرجانی، علی بن محمد، التعریفات، دار الحیاء التراث العربی، ۱۴۲۴ھ، ۲۰۰۳ء
۹۔حر عاملی، محمد بن الحسن، وسائل الشیعہ، دار الاحیاء العربی التراث، بیروت، ۱۳۱۱ھ
۱۰۔ڈاکٹر، انور محمود خالد، اردو نثر میں سیرت رسولؐ، ناظم اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۱۹۸۹ء
۱۱۔صدیقی، نعیم، محسن انسانیت، الفیصل، لاہور، ۲۸ نومبر ۱۹۹۸ء
۱۲۔عاملی، جعفر مرتضٰی، الصحیح من سیرۃ النبی الاعظم، معارف اسلام پبلشرز، جمادی الاول ۱۴۲۰ھ۔ق
۱۳۔کفاش، حمید رضا، درس زندگی از سیرۃ پیغمبر،
۱۴۔ورام، مسعود بن عیسی، تنبیہ الخاطر و نزھۃ النواظر المعروف بمجموعہ ورّام، مکتبہ الفقیہ، قم،
۱۵۔ویکی شیعہ، نیٹ